# پاکستان: انسداد توہینِ رسالت کا قانون اور اقلیتوں کے حقوق

[قانونِ توہینِ رسالت کے حوالے سے جو مباحثہ جاری ہے، ہم نے کوشش کی ہے کہ اپنے قارئین کو مسیحی اور مسلم دونوں نقطہ ہائے نظر سے آگاہ کرتے رہیں۔ مسلم نقطۂ نظر کے حوالے سے مولانا عبدالرشید انصاری کی حسبِ ذیل تحریر روزنامہ جنگ (کراچی) کے شکریے کے ساتھ نقل کی جاتی ہے جو اخبارِ مذکور کی اشاعت بابت ۲۷ مئی ۱۹۹۴ء میں شائع ہوئی ہے۔ مدیر]

اپریل کے دوسرے عشرے کے اختتام پر پنجاب اسمبلی نے ایک متفقہ قرارداد منظور کر کے حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ توہینِ رسالت کے انسداد کے قانون ۲۹۵-ج میں ترمیم نہ کی جائے اور اہانتِ رسول کے سنگین جرم کا ارتکاب کرنے والوں کے لیے موت کی سزا برقرار رکھی جائے۔ دراصل یہ قرارداد ملک میں جاری احتجاج نما اس بحث کا حصہ ہے جو ۵ اپریل کو وزیرِ اطلاعات خالد احمد کھرل کی دی گئی اس اطلاع سے شروع ہوئی تھی کہ آج کابینہ کے اجلاس میں وزیرِ اعظم نے وزیرِ قانون کو انسداد توہینِ رسالت کے قانون میں ترمیم کا مسوّدہ مرتب کرنے کا حکم دے دیا ہے کہ شاتمانِ رسول کے لیے قانون میں موجود سزا منسوخ کر کے ان کے لیے زیادہ سے زیادہ دس سال قید کی سزا مقرر کی جائے۔ اس پر عوام اور خصوصاً تمام دینی حلقوں میں میں غصہ و اشتعال کا پیدا ہونا ایک لازمی امر تھا۔ چنانچہ دوسرے ہی روز اسلام آباد میں سرکاری حلقوں کو اس بات کی وضاحت کرنا پڑی کہ وفاقی کابینہ نے قانون میں جس ترمیم کا فیصلہ کیا ہے وہ توہینِ رسالت کے رائج الوقت قانون میں مداخلت نہیں بلکہ اس قانون میں ایک نئی شق کا اضافہ کرنا ہے جس کے تحت توہینِ رسالت کا کسی پر جھوٹا الزام لگانے والے کو دس سال تک کی سزائے قید دی جا سکے گی۔ اخبارات نے یہ وضاحت بھی کر دی کہ یہ غلط فہمی اس لیے پیدا ہوئی کہ قانون کی دفعہ ۲۹۵-ج میں ایک الگ ذیلی دفعہ کے ذریعہ اضافے کی بجائے اسی دفعہ میں ترمیم کا ذکر کیا گیا تھا۔ ان بیانات کے بعد اصولاً بحث و احتجاج کا سلسلہ ختم ہو جانا متوقع تھا، مگر قومی اسمبلی کے ایک اقلیتی رکن نے یہ بیان دے کر اس میں مزید اضافہ کر دیا کہ وزیرِ اعظم صاحبہ سے ہماری بات ہو گئی ہے، انھوں نے توہینِ رسالت کے قانون میں ترمیم کا حکم دے دیا ہے۔ اس لیے بجا طور پر پنجاب اسمبلی کے ارکان نے صاحبزادہ فضل کریم کی پیش کردہ قرارداد حزبِ اقتدار و حزبِ اختلاف کی تمیز اور تشخص کا لحاظ کیے بغیر متفقہ طور منظور کر کے عملاً حکومت پر واضح کر دیا کہ توہینِ رسالت کے مرتکبین کی سزا میں تخفیف کا عندیہ معمولی مسئلہ نہیں ہے۔ اس سلسلے میں اگر کوئی بھی نامنصفانہ اقدام کیا گیا تو وہ خود حکومت کے لیے بھی گوناگوں مشکلات کا باعث بن سکتا ہے۔

گستاخانِ رسالت اور شاتمانِ نبی کے لیے موت کی سزا کا رائج الوقت قانون پینل کوڈ کی اس دفعہ (۲۹۵) کا حصہ ہے جو برطانوی دور تسلط میں بھی رائج تھی۔ ۱۹۲۷ء میں اس [دفعہ میں ذیلی دفعہ ۲۹۵-الف] کا اضافہ کیا گیا تھا۔ اس کے تحت لوگوں کے مذہبی جذبات مجروح کرنے کا الزام ثابت ہونے پر اڑھائی سال تک کی سزا ملزم کو دی جا سکتی تھی۔ ۱۹۸۲ء میں پاکستان کے فوجی سربراہ جنرل ضیاءالحق مرحوم نے قرآن کریم کے تقدس کے تحفظ کے لیے اسی قانون میں ذیلی دفعہ - ب کا اضافہ کیا جبکہ ۱۹۸۵ء کی قومی اسمبلی نے جس کے ممبران میں شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مرحوم، علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری مرحوم، علامہ شاہ بلیغ الدین اور مولانا معین الدین لکھوی جیسے اکابر اہل علم بھی شامل تھے، دفعہ ۲۹۵ ہی میں ذیلی دفعہ "ج" کا اضافہ کر دیا تھا جس کے بموجب پیغمبرِ اسلام حضور خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے بارے میں بولے یا لکھے ہوئے لفظ یا اشارے بالواسطہ یا بلاواسطہ طور سے ان کے مقدس نام کو یا آپ ﷺ کے تقدس کے بارے میں توہین آمیز رویہ پر موت، عمر قید یا جرمانے کی سزا مقرر کی گئی تھی۔ اگرچہ اسلامی شریعت کی رو سے یہ قانون بھی توہینِ رسالت جیسے قبیح جرم کے مرتکبین کو ٹھیک سزا دینے کے تقاضے پورے نہیں کرتا تھا۔ کیونکہ اسلامی قانون انسانیت کے محسنِ اعظم ﷺ اور ہادیٔ اعظم کی شان میں گستاخی کرنے والے کے وجود کو اپنی اقلیم میں مسترد کرتا ہے اور اسے دنیا سے چلتا کرنے کا حکم دیتا ہے، لیکن ۱۹۹۰ء میں فیڈرل شریعت کورٹ کے چیف جسٹس، جناب جسٹس گل محمد نے لاہور کے ایک فاضل وکیل محمد اسمٰعیل قریشی کی رٹ پٹیشن کا فیصلہ سناتے ہوئے عمر قید اور جرمانے کی سزا کو خلاف شریعت تسلیم کر کے اسے قانون سے حذف کر دیا تھا۔

انسدادِ توہینِ رسالت کا قانون مستحکم اور غیر مبہم ہو جانے کے بعد سب سے پہلے قادیانیوں کی جانب سے اس کے خلاف آواز اٹھنا شروع ہوئی، لیکن پھر وہ منقار زیرِ پر کے مصداق دبک گئے، جبکہ بعد ازاں ملک میں ایک سے زیادہ واقعات ایسے ہوئے جن میں توہینِ رسالت کے ملزموں کا تعلق اتفاقاً عیسائی اقلیت سے تھا۔ بس پھر کیا تھا، ایک منظم طریقے سے انسانی حقوق کے خود ساختہ اجارہ دار بھی انسانیت ہی کے محسنِ اعظم ﷺ کی شان میں بد زبانی کرنے والوں کو قانون کی زد سے بچانے کے لیے میدان میں آ گئے اور اس قانون ہی کو منسوخ کرانے کی ہفوات شروع ہو گئیں۔

ہم نہیں سمجھتے کہ توہینِ رسالت کے قانون کی زد مسیحیت یا مسیحیوں پر پڑے گی یا ہمارے ملک کی کوئی اور اقلیت اس کی نشانے پر آ جائے گی، کیونکہ سوائے قادیانیت کے کسی بھی مذہب نے یا اس کے ماننے والوں کی قیادت نے اپنے پیروکاروں کو مسلمانوں کے مذہبی جذبات مجروح کرنے کی یا اسلام کے پیغمبر حضور ختمی مرتبت ﷺ کی توہین کرنے کی اور آپ ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے کی ترغیب نہیں دلائی اور نہ ہی مسلمانوں کو اجازت ہے کہ وہ سیدنا عیسیٰ ابنِ مریم یا کسی بھی دوسرے نبی کی توہین کریں۔ بالفرض اگر کوئی مسلمان کسی بھی وجہ سے کسی بھی نبی کی توہین کرے تو وہ اسی لمحہ دائرہ

اسلام سے خارج ہو جائے گا۔ اب تک ایک شبہ یہ تھا کہ خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی توہین کرنے والوں کو سزا دینے کے لیے تو قومی اسمبلی نے قانون وضع کر دیا ہے، مگر دوسرے انبیاء علیہم السلام کی توہین کرنے پر پابندی نہیں لگائی۔ چنانچہ گزشتہ دنوں (وسط اپریل ہی میں) لاہور ہائی کورٹ کی فل بینچ نے میانوالی کے ایک عیسائی مذہبی رہنما بشپ کینتھ کی رٹ درخواست پر اپنے ریمارکس میں کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں اور رسولوں کی توہین کے مرتکب کسی بھی شخص کے خلاف توہینِ رسالت ایکٹ کے تحت کارروائی کی جا سکتی ہے۔ پاکستان پریس انٹرنیشنل نے لاہور سے یہ خبر جاری کرتے ہوئے لکھا ہے کہ عدالت عالیہ کے ان ریمارکس نے توہینِ رسالت ایکٹ کے خلاف مختلف طبقات کے طرف سے چلائی گئی پروپیگنڈا مہم کو خاموش کر دیا ہے۔ فاضل عدالت نے مزید کہا کہ مسلمان حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ سمیت تمام پیغمبروں پر ایمان رکھتے ہیں۔ عدالت نے فیصلے میں مزید کہا ہے کہ توہینِ رسالت ایکٹ میں لفظ "تمام پیغمبروں" استعمال کیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے وہ تمام پیغمبر جن کا ذکر قرآن میں آیا ہے۔ بشپ کینتھ نے اپنی درخواست میں عدالتِ عالیہ سے استدعا کی تھی کہ توہینِ رسالت ایکٹ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام بھی شامل کیا جائے۔ عدالتِ عالیہ نے کہا کہ مسلمان تمام پیغمبروں پر ایمان رکھتے ہیں اور ہر مسلمان پر لازم ہے کہ ان کی رسالت پر ایمان لائے۔ عدالتِ عالیہ کی جانب سے قانون کی اس تشریح اور وضاحت کے بعد کوئی وجہ نہیں کہ مسیحی حضرات مطمئن نہ ہوں اور توہینِ رسالت کے قانون کے متعلق حق بجانب ہونے کے بارے میں ان کے اذہان میں اب بھی شکوک و شبہات باقی رہیں۔

بایں ہمہ اب بھی کوئی توہینِ رسالت کے قانون کی مخالفت کرتا ہے تو ہمارا سوال اس سے یہ ہے کہ کیا وہ مسلمانوں کو دینی اعتبار سے اس قدر بے جان، بے احساس اور بے غیرت بنانا چاہتا ہے کہ ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کے نبیوں کی توہین کی جائے اور وہ خاموشی و اطمینان سے سنتے رہیں اور زیادتی و ظلم کو رکوانے کے لیے ان کے پاس قانون کا سہارا بھی نہ ہو؟ انصاف سے بتایئے کہ جب کوئی سلیم الفطرت انسان بقائمی ہوش و حواس و صحت عقل اپنے ماں باپ یا اپنی محبوب ہستی کے متعلق نازیبا الفاظ نہیں سن سکتا تو اہل ایمان سے یہ کیوں توقع کی جا رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور نبی کے دشمنوں کو وہ خبثِ باطن کے اظہار کی کھلی چھٹی دے دیں؟ ۲۶ اپریل کو لاہور میں عدالت عالیہ نے ایک درخواست کی سماعت کے دوران واضح کیا ہے کہ دفعہ ۲۹۵-ج انسدادِ توہینِ رسالت کا قانون آئین کے منافی نہیں ہے۔ اگر یہ قانون منسوخ کر دیا جائے تو پھر زمانہ قدیم کی طرح لوگ ملزم سے خود ہی بدلہ لے لیا کریں گے۔ عدالت نے کہا کہ یہ قانون ملزم کو (جرم ثابت ہونے تک) جان کا تحفظ فراہم کرتا ہے۔ اسے اپنی صفائی پیش کرنے کا موقع دیتا ہے اور اپنی پسند کا وکیل مقرر کرنے کی سہولت دیتا ہے۔ نیز ہم اس قانون کے مخالفین کو یہ بھی بتانا مناسب سمجھتے ہیں کہ پاکستان مسلمانوں کا ملک ہے، اسلام اور پیغمبر

اسلام ﷺ کے نام پر معرضِ وجود میں آیا ہے۔ اس ملک کا سرکاری مذہب اسلام ہے۔ اگر اس ملک میں بھی ناموسِ رسالت کے تحفّظ کا قانون نہ ہو تو یہاں کے تمام مسلمانوں کو مسلمان کہلانے کا کیا حق باقی رہ جاتا ہے؟ ہم عاصمہ جہانگیر اور ان کے فکری ساتھیوں کی کھیپ سے یہ سوال کرنے کا حق رکھتے ہیں کہ بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے سرتاج اور سیّدہ فاطمتہ الزہرا رضی اللہ عنہا کے برگزیدہ والد حضرت محمد عربی ﷺ نے آپ لوگوں کا کیا بگاڑا ہے کہ گستاخانِ رسالت کو رعایتیں دلوانے کے لیے حقوق اور قانون کے نام پر ایک تحریک سی شروع کر دی گئی ہے؟ کیا حقوقِ انسانی کے ضمن میں (جن کے آپ علمبردار ہیں۔) اللہ تعالیٰ کے نبیوں اور رسولوں اور خصوصاً انسانیت کے محسنِ اعظم نبی اعظم ﷺ کے عزت و احترام کے تحفّظ کا پاکستانی مسلمانوں اور پاکستانی قانون کو کوئی حق نہیں ہے؟ آخر کیوں گ؟ جہاں تک اس قانون میں بیان کی گئی خلاف ورزی کرنے والوں کے لیے موت کی سزا کا تعلق ہے تو یہ سزا محترمہ بے نظیر صاحبہ یا جنرل ضیاءالحق مرحوم نے مقرر نہیں کی، پاکستان کی قومی اسمبلی نے بھی قانون میں اس کا احیاء کیا ہے۔ عدالتِ عالیہ نے اسے واضح کیا ہے۔ توہینِ رسالت کے مجرموں اور سلمان رشدی، اکرم عربی، مرزا غلام احمد قادیانی اور اچھرے کے راجپال جیسے شاتمانِ رسول کے لیے موت کی سزا اسلامی شریعت میں چودہ سو برس پہلے سے موجود ہے اور منشائے الٰہیٰ کے مطابق پیغمبرِ اسلام ﷺ نے مقرر کی ہے۔ کسی مسلمان اتھارٹی کو یہ سزا بدلنے کا حق نہیں ہے۔ مخالف عناصر ٹھنڈے دل سے اپنے روّیے کا جائزہ لیں تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ دفعہ ۲۹۵-ج کی مخالفت کے عنوان سے وہ کچھ اور کر رہے ہیں۔

آخری بات یہ ہے کہ توہینِ رسالت کے انسداد کے قانون کو لوگ اپنے مخالفین کے خلاف ناجائز طور پر استعمال کر سکتے ہیں، مگر یہ خدشہ تو ہر قانون کے متعلق پیدا ہو سکتا ہے۔ تو کیا پھر تمام قوانین سے سزائیں حذف کرنے کا مطالبہ کرنا قرینِ عقل و انصاف ہو گا؟ قطعاً نہیں! ضرورت اس امر کی ہے کہ تمام مذاہب کے زعماء اپنے متبعین کو اپنے اپنے مذہب پر کاربند ہونے اور دوسروں کی دلجوئی اور احترامِ باہمی، نیز ملکی قوانین پامال کرنے سے باز رہنے کی تلقین کریں اور مذہب دشمن، لادین عناصر اور غیر ملکی ایجنسیوں کی سازشیں ناکام بنا دیں۔